© rasailojaraid.com

فصل چہارم

آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

(۳)

انکارِ آخرت کے اخلاقی نتائج قرآن کریم میں آخرت کے امکان اور اس کے وجوب پر اتنے مضبوط دلائل قائم کرنے کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ صرف آخرت کا عقیدہ ہی وہ چیز ہے جو انسان کی سیرت و کردار کو صحیح و مستحکم اخلاقی بنیادوں پر قائم رکھتا ہے۔ یہ نہ ہو تو اس کو ظلم و ستم، فسق و فجور، بدعہدی و خیانت اور بدکاری و بداطواری سے روکنے والی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت کا انکار کرنے والے زبان سے خواہ کتنی ہی حجّتیں بگھارتے رہیں، اُن کے عمل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دراصل اخلاقی بے قیدیوں کی آزادی چاہتے ہیں اور اسی کو برقرار رکھنے کے لیے آخرت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن مجید میں خود عرب کے معاشرے کی عام طور پر پھیلی ہوئی اخلاقی خرابیوں کی نشان دہی کی گئی اور لوگوں کے سامنے یہ سوال رکھ دیا گیا کہ کیا یہ خرابیاں اُس صورت میں بھی پیدا ہو سکتی تھیں جب لوگوں کو یہ احساس ہوتا کہ ہمیں ایک دن اپنے خدا کے سامنے اپنے ایک ایک فعل کی جواب دہی کرنی ہوگی؟

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝	کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔ مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے۔

(القیامۃ ۳ تا ۵)

پہلی دو آیتوں میں اُن لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو کہتے تھے کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو مرے

© rasailojaraid.com

ہوئے سینکڑوں ہزاروں برس گزر چکے ہوں، جن کے جسم کا ذرّہ ذرّہ خاک میں مل کر پراگندہ ہو چکا ہو، جن کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو کر نہ معلوم زمین میں کہاں کہاں منتشر ہو چکی ہوں، جن میں سے کوئی جل مرا ہو، کوئی درندوں کے پیٹ میں جا چکا ہو، کوئی سمندر میں غرق ہو کر مچھلیوں کی غذا بن چکا ہو، اُن سب کے اجزائے جسم پھر سے جمع ہو جائیں اور ہر انسان پھر وہی شخص بن کر اُٹھ کھڑا ہو، جو دس بیس ہزار سال پہلے کبھی وہ تھا؟ اس کا نہایت معقول اور انتہائی پُرزور جواب اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سے سوال کی شکل میں دے دیا ہے کہ "کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کبھی جمع نہ کر سکیں گے؟" یعنی اگر تم سے یہ کہا گیا ہوتا کہ تمہارے یہ منتشر اجزائے جسم کسی وقت آپ سے آپ جمع ہو جائیں گے اور تم آپ سے آپ اِسی جسم کے ساتھ جی اُٹھو گے، تو بلاشبہ تمہارا اِس کو ناممکن سمجھنا بجا ہوتا۔ مگر تم سے تو کہا یہ گیا ہے کہ یہ کام خود نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا۔ اب کیا تم واقعی یہ سمجھ رہے ہو کہ کائنات کا خالق، جسے تم خود بھی خالق مانتے ہو، اِس کام سے عاجز ہے؟ یہ ایسا سوال تھا جس کے جواب میں کوئی شخص، جو خدا کو خالقِ کائنات مانتا ہو، نہ اُس وقت یہ کہہ سکتا تھا اور نہ آج یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا بھی یہ کام کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی بے وقوف ایسی بات کہے تو اُس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تم آج جس جسم میں اِس وقت موجود ہو اس کے بے شمار اجزاء کو ہوا اور پانی اور مٹی اور نہ معلوم کہاں کہاں سے جمع کر کے اُسی خدا نے کیسے یہ جسم بنا دیا جس کے متعلق تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ پھر اِن اجزا کو جمع نہیں کر سکتا؟

پھر فرمایا کہ بڑی بڑی ہڈیوں کو جمع کر کے تمہارا ڈھانچہ پھر سے کھڑا کر دینا تو درکنار، ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ تمہارے نازک ترین اجزائے جسم حتّٰی کہ تمہاری انگلیوں کی پوروں تک کو پھر ویسا ہی بنا دیں جیسی وہ پہلے تھیں۔

آخری فقرے میں منکرینِ آخرت کے اصل مرض کی صاف صاف تشخیص کر دی گئی کہ اِن لوگوں کو جو چیز آخرت کے انکار پر آمادہ کر رہی ہے وہ دراصل یہ نہیں ہے کہ فی الواقع یہ قیامت اور آخرت کو ناممکن سمجھتے ہیں، بلکہ اِن کے اِس انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ آخرت کو ماننے سے لازماً ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد ہوتی ہیں، اور اِنھیں یہ پابندیاں ناگوار ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ اب تک زمین میں بے نتھے بیل کی طرح پھرتے رہے ہیں، اُسی طرح آئندہ بھی پھرتے رہیں۔ جو ظلم، جو بے ایمانیاں، جو فسق و فجور، جو بدکرداریاں یہ اب تک کرتے رہے ہیں، آئندہ بھی اِن کو اس کی کھلی چھوٹ ملی رہے، اور یہ خیال کبھی اِن کو یہ ناروا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزادیاں برتنے سے نہ روک نے پائے کہ ایک دن اِنہیں اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اِن اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔ اِس لیے دراصل اِن کی عقل اِنہیں آخرت پر ایمان لانے سے نہیں روک رہی ہے بلکہ اِن کی خواہشاتِ نفس اِس میں مانع ہیں۔ اور یہی بات اِن آیات میں فرمائی گئی ہے:

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ۔
(المطففین - ۱۲)

اور اُسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزر جانے والا بدعمل ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۔
(ص - ۲۶)

جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اِس لیے کہ وہ روزِ حساب کو بھول گئے ہیں۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ۔
(القیامۃ ۲۰ - ۲۱)

ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

یہ منکرین کے انکارِ آخرت کی دوسری وجہ ہے۔ پہلی وجہ تو اوپر بیان کر دی گئی کہ وہ فجور کی کھلی چھوٹ چاہتے ہیں اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتے ہیں جو آخرت کو ماننے سے لازماً اُن پر عائد ہوتی ہیں، اِس لیے دراصل خواہشاتِ نفس انہیں انکارِ آخرت پر اُبھارتی ہیں اور پھر وہ عقلی دلیلیں بگھارتے ہیں تاکہ اپنے اِس انکار کو معقول ثابت کریں۔ اب دوسری وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ منکرینِ آخرت چونکہ تنگ نظر اور کوتاہ بین ہیں اِس لیے اُن کی نگاہ میں ساری اہمیت اُنہی نتائج کی ہے جو اِسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور اُن نتائج کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے جو آخرت میں ظاہر ہونے والے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو فائدہ یا لذّت یا خوشی یہاں حاصل ہو جائے اُسی کی طلب میں ساری محنتیں اور کوششیں کھپا دینی چاہییں کیونکہ اسے پالیا تو گویا سب کچھ پالیا، خواہ آخرت میں اس کا انجام کتنا ہی بُرا ہو۔ اِسی طرح اُن کا خیال یہ ہے کہ جو نقصان یا تکلیف یا رنج و غم یہاں پہنچ جائے وہی دراصل بچنے کے قابل چیز ہے، قطعِ نظر اِس سے کہ اس کو برداشت کر لینے کا کتنا ہی بڑا اجر آخرت میں مل سکتا ہو۔ وہ نقد سودا چاہتے ہیں۔ آخرت جیسی اُدھار کی چیز کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ نہ آج کے کسی نفع کو چھوڑ سکتے ہیں نہ کسی نقصان کو گوارا کر سکتے ہیں۔ اِس اندازِ فکر کے ساتھ جب وہ آخرت کے مسئلے پر عقلی بحثیں کرتے ہیں تو دراصل وہ خالص عقلیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے پیچھے یہ اندازِ فکر کام کر رہا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُن کا فیصلہ بہرحال یہی ہوتا ہے کہ آخرت کو نہیں ماننا ہے خواہ اندر سے اُن کا ضمیر پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ آخرت کے امکان و وقوع اور وجوب کی جو دلیلیں قرآن میں دی گئی ہیں وہ نہایت معقول ہیں اور اس کے خلاف جو استدلال وہ کر رہے ہیں وہ نہایت بودا ہے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۔ (الدھر - ۲۷)

یہ لوگ تو جلدی حاصل ہونے والی چیز (دُنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اُسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یعنی یہ کفارِ قریش جس وجہ سے اخلاق اور عقائد کی گمراہیوں پر مصر ہیں، اور جس بنا پر اللہ کے رسول کی دعوتِ حق کے لیے اِن کے کان بہرے ہو گئے ہیں، وہ دراصل اِن کی دُنیا پرستی اور آخرت سے بے فکری و بے نیازی ہے۔ اس لیے ایک سچے خدا پرست انسان کا راستہ ان کے راستے سے اِتنا الگ ہے کہ دونوں کے درمیان کسی مصالحت کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۔ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۔ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۔

(التکاثر - ۱ تا ۸)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا)۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے، پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھو گے۔ پھر ضرور اُس روز تم سے اِن نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔

لفظ اَلْهٰكُمْ لَهْو سے ہے جس کے اصل معنی غفلت کے ہیں، لیکن عربی زبان میں یہ لفظ اُس شغل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے بولا جاتا ہے جس سے آدمی کی دلچسپی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس میں منہمک ہو کر دوسری اہم تر چیزوں سے غافل ہو جائے۔ اس مادّے سے جب اَلْهٰكُمُ کا لفظ بولا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی لَہو نے تم کو اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ تمھیں کسی اور چیز کا، جو اُس سے اہم تر ہے، ہوش باقی نہیں رہا ہے۔ اُسی کی دُھن تم پر سوار ہے۔ اُسی کی فکر میں تم لگے ہوئے ہو۔ اور اِس انہماک نے تم کو بالکل غافل کر دیا ہے۔

تکاثُر کثرت سے ہے، اور اس کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری یہ کہ لوگ کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں۔ تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اِس بات پر فخر جتائیں کہ انھیں دوسروں سے زیادہ کثرت حاصل ہے۔

پس اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کے معنی ہوئے تکاثُر نے تمھیں اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ اُس کی دُھن نے تمھیں اُس سے اہم تر چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔ اس فقرے میں یہ تصریح نہیں کی گئی ہے کہ تکاثُر میں کس چیز کی کثرت اور اَلْهٰكُمْ میں کس چیز سے غافل ہو جانا مراد ہے، اور اَلْهٰكُمْ (تم کو غافل کر دیا ہے) کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ اِس عدمِ تصریح کی وجہ سے ان الفاظ کا اطلاق اپنے وسیع ترین مفہوم پر ہو جاتا ہے۔ تکاثُر کے معنی محدود نہیں رہتے بلکہ دنیا کے تمام فوائد و منافع، سامانِ عیش، اسبابِ لذّت، اور وسائلِ قوت و اقتدار کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی سعی و جہد کرنا، اُن کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا، اور ایک دوسرے کے مقابلے میں ان کی کثرت پر فخر جتانا اُس کے مفہوم میں شامل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اَلْهٰكُمْ کے مخاطب بھی محدود نہیں رہتے بلکہ ہر زمانے کے لوگ اپنی انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی اُس کے مخاطب ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دنیا حاصل کرنے اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے، اور دوسروں کے مقابلے میں اُس پر فخر جتانے کی دُھن افراد پر بھی سوار ہے اور اقوام پر بھی۔ اسی طرح اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ میں چونکہ اس امر کی صراحت نہیں کی گئی کہ تکاثُر نے لوگوں کو اپنے اندر مُنہمک کر کے کس چیز سے غافل کر دیا ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں بھی بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو اِس تکاثُر کی دُھن نے ہر اُس چیز سے غافل کر دیا ہے جو اس کی بہ نسبت اہم تر ہے۔ وہ خدا سے غافل ہو گئے ہیں۔ عاقبت سے غافل ہو گئے۔ اخلاقی حدود اور اخلاقی ذمّہ داریوں سے غافل ہو گئے ہیں۔ انھیں بس معیارِ زندگی بلند کرنے کی فکر ہے، اِس بات کی کوئی فکر نہیں کہ معیارِ آدمیت کس قدر گر رہا ہے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ دولت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے، اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ وہ کس ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اُنہیں عیش و عشرت اور جسمانی لذّتوں کے سامان زیادہ سے زیادہ مطلوب ہیں، اِسی ہوس رانی میں غرق ہو کر وہ اِس بات سے بالکل غافل ہو گئے ہیں کہ اِس روش کا انجام کیا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت، زیادہ سے زیادہ فوجیں، زیادہ سے زیادہ ہتھیار فراہم کرنے کی فکر ہے، اور اس معاملہ میں ان کے درمیان ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی دوڑ جاری ہے، اِس بات کی فکر اُنہیں نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کر دینے کا سرو سامان ہے۔ غرض تکاثُر کی بے شمار صورتیں ہیں جنھوں نے اشخاص اور اقوام سب کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالاتر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا ہے۔ اور یہ فکر مرتے دم تک اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

اس غلطی پر انسانوں کو متنبہ کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ متاعِ دُنیا کی یہ کثرت، اور اس میں دوسروں سے بڑھ جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہے عنقریب اس کا بُرا انجام تمہیں معلوم ہو جائے گا اور تم جان لوگے کہ یہ کتنی بڑی غلطی تھی جس میں تم عمر بھر مبتلا رہے۔ عنقریب سے مُراد آخرت بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ جس ہستی کی نگاہ ازل سے ابد تک تمام زمانوں پر حاوی ہے، اس کے لیے چند ہزار یا چند لاکھ سال بھی زمانے کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ لیکن اس سے مراد موت بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ تو کسی انسان سے بھی کچھ زیادہ دُور نہیں ہے۔ اور یہ بات مرتے ہی انسان پر کُھل جائے گی کہ جن مشاغل میں وہ اپنی ساری عمر کھپا کر آیا ہے وہ اس کے لیے سعادت و خوش بختی کا ذریعہ تھے یا بدانجامی و بدبختی کا ذریعہ؟

پھر قرآن خود عربی معاشرے میں سے چند سامنے کی مثالیں دے کر بتاتا ہے کہ آخرت سے غفلت نے لوگوں میں کیسی کیسی بُرائیاں پیدا کر دی ہیں۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ	تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، جن
إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ	کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا
يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ	پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر
أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝	دیتے ہیں تو انھیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ
أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم	لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اُٹھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ	کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن
يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ	جبکہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے
الْعٰلَمِيْنَ ۙ (المطففین ۱ تا ۶)	کھڑے ہوں گے۔

لفظ مُطَفِّفِيْن طَفِيف سے مشتق ہے جس کے معنی عربی زبان میں چھوٹی اور حقیر چیز کے ہیں، اور تَطْفِيف کا لفظ اصطلاحاً ناپ تول میں چوری چھپے تھوڑی تھوڑی کمی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ کام کرنے والا ناپ کر یا تول کر چیز دیتے ہوئے کوئی بڑی مقدار نہیں اُڑاتا بلکہ ہاتھ کی صفائی دکھا کر ہر خریدار کے حصے میں سے تھوڑا تھوڑا اُڑاتا رہتا ہے اور خریدار بیچارے کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ تاجر اُسے کیا اور کتنا گھاٹا دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بُرائی جو معاشرے میں عام تھی، کبھی نہ پھیل سکتی اگر لوگوں کو آخرت کا کوئی خیال ہوتا۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ	ہرگز نہیں (دنیوی خوشحالی یا بدحالی معیارِ
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ	عزت و ذلت نہیں ہے) بلکہ تم یتیم سے عزت کا
الْمِسْكِيْنِ ۙ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ	سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک
اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ	دوسرے کو نہیں اُکساتے، اور میراث کا سارا مال
حُبًّا جَمًّا ؕ	سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال کی محبت میں بُری
(الفجر ۱۷ تا ۲۰)	طرح گرفتار ہو۔

یعنی تم نے دنیوی خوشحالی و بدحالی کو جو معیار عزت و ذلت سمجھ رکھا ہے یہ تمہارا مادہ پرستانہ نقطۂ نظر ہے۔ ورنہ اصل معیار تو اخلاق کی خوبی و زشتی ہے۔ اور تمہارا حال یہ ہے کہ یتیم کا باپ جب تک زندہ رہتا ہے اس کے ساتھ تمہارا برتاؤ کچھ اور ہوتا ہے اور جب اس کا باپ مرجاتا ہے تو ہمسائے اور دُور کے رشتہ دار تو درکنار، چچا اور ماموں اور بڑے بھائی تک اُس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ تمہارے معاشرے میں غریبوں کو کھانا کھلانے کا کوئی چرچا نہیں ہے۔ نہ کوئی خود کسی بھوکے کو کھانا کھلانے پر آمادہ ہوتا ہے، نہ لوگوں میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ بھوکوں کی بھوک مٹانے کے لیے کوئی فکر کریں اور ایک دوسرے کو اُس کا انتظام کرنے پر اُکسائیں۔ میراث میں عورتوں اور بچوں کو تو تم نے ویسے ہی محروم کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ مرنے والے کے وارثوں میں جو زیادہ طاقت ور اور با اثر ہوتا ہے وہ بلا تأمل ساری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میراث سمیٹ لیتا ہے۔ اور ان سب کا حصّہ مار کھاتا ہے جو اپنا حصّہ حاصل کرنے کا بل بوتا نہ رکھتے ہوں۔ حق اور فرض کی کوئی اہمیت تمہاری نگاہ میں نہیں ہے کہ ایمانداری کے ساتھ اپنا فرض سمجھ کر حق دار کو اس کا حق دو خواہ وہ اسے حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ مال کمانے میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمہیں کوئی فکر نہیں۔ جس طریقے سے بھی مال حاصل کیا جا سکتا ہو اسے حاصل کرنے میں تمہیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اور خواہ کتنا ہی مال مل جائے تمہاری حرص و طمع کی آگ کبھی نہیں بجھتی۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون ۱تا۳)

کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو نمایاں ترین مثالیں دے کر دراصل یہ بتایا ہے کہ انکارِ آخرت لوگوں میں کس قسم کی اخلاقی برائیاں پیدا کرتا ہے۔ اصل مقصود اِن دو ہی باتوں پر گرفت کرنا نہیں ہے کہ آخرت کو نہ ماننے سے بس یہ دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ یتیموں کو دھتکارتے ہیں اور مسکینوں کا کھانا دینے پر نہیں اکساتے۔ بلکہ جو بے شمار خرابیاں اس گمراہی کے نتیجے میں رونما ہوتی ہیں ان میں سے دو ایسی چیزیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جن کو ہر شریف الطبع اور سلیم الفطرت انسان مانے گا کہ وہ نہایت قبیح اخلاقی رذائل ہیں۔ اس سے یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ اگر یہی شخص خدا کے حضور اپنی حاضری اور جواب دہی کا قائل ہوتا تو اس سے ایسی کمینہ حرکتیں سرزد نہ ہوتیں کہ یتیم کا حق مارے، اس پر ظلم ڈھائے، اس کو دھتکارے، اور مسکین کو نہ خود کھلائے نہ کسی سے یہ کہے کہ اس کا کھانا اس کو دو۔ آخرت کا یقین رکھنے والوں کے اوصاف تو وہ ہیں جو سورۂ عصر اور سورۂ بلد میں بیان کیے گئے ہیں کہ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (وہ ایک دوسرے کو خلقِ خدا پر رحم کھانے کی نصیحت کرتے ہیں) اور وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (وہ ایک دوسرے کو حق پرستی اور ادائے حقوق کی نصیحت کرتے ہیں)۔

دنیا میں انسان امتحان کے لیے پیدا کیا گیا ہے ایک طرف قرآن نے اِس طریقے سے آخرت کے امکان اور اس کی ضرورت کے متعلق لوگوں کے ہر شبہ کو نہایت معقول طریقہ سے رفع کیا اور دوسری طرف اس نے ان کو یہ بھی بتایا کہ تم اپنی غفلت کی وجہ سے دنیا کو محض ایک چراگاہ یا تفریح گاہ سمجھے بیٹھے ہو، حالانکہ یہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امتحان گاہ ہے جہاں ہر وقت اپنی زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی معاملہ میں تم دراصل امتحان دے رہے ہو۔ اور یہ امتحان تمہیں بے خبر رکھ کر نہیں لیا جا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ بتانے کا پورا انتظام کر دیا ہے کہ اس میں تمہاری کامیابی و ناکامی کا مدار کس چیز پر ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک - ۲)

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

یعنی دنیا میں انسانوں کے مرنے اور جینے کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے شروع کیا ہے کہ ان کا امتحان لے اور یہ دیکھے کہ کس انسان کا عمل زیادہ بہتر ہے۔ اس مختصر سے فقرے میں بہت سی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ موت اور حیات اسی کی طرف سے ہے۔ کوئی دوسرا نہ زندگی بخشنے والا ہے نہ موت دینے والا۔ دوسرے یہ کہ انسان جیسی ایک مخلوق، جسے نیکی اور بدی کرنے کی قدرت عطا کی گئی ہے، اس کی نہ زندگی بے مقصد ہے نہ موت۔ خالق نے اسے یہاں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ زندگی اس کے لیے امتحان کی مہلت ہے اور موت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے امتحان کا وقت ختم ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ اسی امتحان کی غرض سے خالق نے ہر ایک کو عمل کا موقع دیا ہے تاکہ وہ دنیا میں کام کر کے اپنی اچھائی یا برائی کا اظہار کر سکے اور عملاً یہ دکھا دے کہ وہ کیسا انسان ہے۔ چوتھے یہ کہ خالق ہی دراصل اس بات کا فیصلہ کرنے والا ہے کہ کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا۔ اعمال کی اچھائی اور برائی کا معیار تجویز کرنا امتحان دینے والے کا کام نہیں ہے بلکہ امتحان لینے والے کا کام ہے۔ لہٰذا جو بھی امتحان میں کامیاب ہونا چاہے اسے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ممتحن کے نزدیک حُسنِ عمل کیا ہے۔ پانچواں نکتہ خود امتحان کے مفہوم میں پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ جس شخص کا جیسا عمل ہوگا اس کے مطابق اس کو جزا دی جائے گی، کیونکہ اگر جزا نہ ہو تو سرے سے امتحان لینے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا

ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اسی غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کَفُوْرًا (الدھر۔ ۲-۳) بننے یا کفر کرنے والا۔

یہ ہے دنیا میں انسان، اور انسان کے لیے دنیا کی اصل حیثیت۔ وہ درختوں اور جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصدِ تخلیق یہیں پورا ہو جائے اور قانونِ فطرت کے مطابق ایک مدت تک اپنے حصے کا کام کر کے وہ یہیں مر کر فنا ہو جائے۔ نیز یہ دنیا اس کے لیے نہ دار العذاب ہے، جیسا کہ راہب سمجھتے ہیں، نہ دار الجزا ہے، جیسا کہ تناسخ کے قائلین سمجھتے ہیں، نہ چراگاہ اور تفریح گاہ ہے، جیسا کہ مادہ پرست سمجھتے ہیں، اور نہ رزم گاہ، جیسا کہ ڈارون اور مارکس کے پیرو سمجھتے ہیں، بلکہ دراصل یہ اس کے لیے ایک امتحان گاہ ہے۔ وہ جس چیز کو عمر سمجھتا ہے حقیقت میں وہ امتحان کا وقت ہے جو اسے یہاں دیا گیا ہے۔ دنیا میں جو قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کو دی گئی ہیں، جن چیزوں پر بھی اس کو تصرف کے مواقع دیے گئے ہیں، جن حیثیتوں میں بھی وہ یہاں کام کر رہا ہے اور جو تعلقات بھی اس کے اور دوسرے انسانوں کے درمیان ہیں، وہ سب اصل میں امتحان کے بے شمار پرچے ہیں، اور زندگی کے آخری سانس تک اِس امتحان کا سلسلہ جاری ہے۔ نتیجہ اِس کا دنیا میں نہیں نکلنا ہے بلکہ آخرت میں اس کے تمام پرچوں کو جانچ کر یہ فیصلہ ہونا ہے کہ وہ کامیاب ہوا ہے یا ناکام۔ اور اس کی کامیابی و ناکامی کا سارا انحصار اِس پر ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہوئے یہاں کام کیا اور کس طرح امتحان کے وہ پرچے کیے جو اسے یہاں دیے گئے تھے۔ اگر اس نے اپنے آپ کو بے خدا یا بہت سے خداؤں کا بندہ سمجھا، اور سارے پرچے یہ سمجھتے ہوئے کیے کہ آخرت میں اسے اپنے خالق کے سامنے کوئی جواب دہی نہیں کرنی ہے، تو اس کا سارا کارنامۂ زندگی غلط ہو گیا۔ اور اگر اس نے اپنے آپ کو خدائے واحد کا بندہ سمجھ کر اس طریقے پر کام کیا جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو اور آخرت کی جواب دہی کو پیشِ نظر رکھا تو وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ (یہ مضمون قرآن مجید میں اس کثرت کے ساتھ اور اتنی تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان سب مقامات کا حوالہ دینا یہاں مشکل ہے۔ جو حضرات اسے پوری طرح سمجھنا چاہتے ہوں وہ تفہیم القرآن کی ہر جلد کے آخر میں فہرست موضوعات کے اندر لفظ "آزمائش" نکال کر وہ تمام مقامات دیکھ لیں جہاں قرآن میں مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ قرآن کے سوا دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں یہ حقیقت اِتنی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہو)۔

پھر فرمایا گیا "ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا"۔ اس کا مفہوم صحیح طور پر "ہوش گوش رکھنے والا بنایا" سے ادا ہوتا ہے، لیکن ہم نے ترجمے کی رعایت سے سمیع کے معنی "سننے والا" اور بصیر کے معنی "دیکھنے والا" کیے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ عربی زبان کے اِن الفاظ کا ترجمہ یہی ہے مگر ہر عربی دان جانتا ہے کہ حیوان کے لیے سمیع اور بصیر کے الفاظ کبھی استعمال نہیں ہوتے۔ حالانکہ وہ بھی سُننے اور دیکھنے والا ہوتا ہے۔ پس سُننے اور دیکھنے سے مُراد یہاں سماعت اور بینائی کی وہ قوتیں نہیں ہیں جو حیوانات کو بھی دی گئی ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا اور پھر اس سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ علاوہ بریں سماعت اور بصارت انسان کے ذرائع علم میں چونکہ سب سے زیادہ اہم ہیں اس لیے اختصار کے طور پر صرف انہی کا ذکر کیا گیا ہے، ورنہ اصل مراد انسان کو وہ تمام حواس عطا کرنا ہے جن کے ذریعے سے وہ معلومات حاصل کرتا ہے۔ پھر انسان کو جو حواس دیے گئے ہیں وہ اپنی نوعیت میں اُن حواس سے بالکل مختلف ہیں جو حیوانات کو دیے گئے ہیں کیونکہ اُس کے ہر حاسّے کے پیچھے ایک سوچنے والا دماغ موجود ہوتا ہے جو حواس کے ذریعے سے آنے والی معلومات کو جمع کرکے اور ان کو ترتیب دے کر اُن سے نتائج نکالتا ہے، رائے قائم کرتا ہے اور پھر کچھ فیصلوں پر پہنچتا ہے جن پر اس کا رویّہ زندگی مبنی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنے کے بعد کہ انسان کو پیدا کرکے ہم اس کا امتحان لینا چاہتے تھے یہ ارشاد فرمانا کہ اِسی غرض کے لیے ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا، دراصل یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے علم اور عقل کی طاقتیں دیں تاکہ وہ امتحان دینے کے قابل ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر مقصودِ کلام یہ نہ ہو اور سمیع و بصیر بنانے کا مطلب محض سماعت و بینائی کی قوتیں رکھنے والا بنانا ہی ہو تو ایک اندھا اور بہرا آدمی تو پھر امتحان سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے، حالانکہ جب تک کوئی علم و عقل سے بالکل محروم نہ ہو، امتحان سے اس کے مستثنیٰ ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے اسے محض علم و عقل کی قوتیں دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ شکر کا راستہ کون سا ہے اور کفر کا راستہ کونسا، اور اس کے بعد جو راستہ بھی وہ اختیار کرے اس کا ذمہ دار وہ خود ہو۔ سُورۂ بَلَد میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" اور ہم نے اسے دونوں راستے (یعنی خیر و شر کے راستے) نمایاں کرکے بتا دیے۔" اور سورۂ شمس میں یہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا "اور قسم ہے (انسان کے) نفس کی اور اس ذات کی جس نے اُسے (تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ) اُستوار کیا، پھر اُس کا فجور اور اس کا تقویٰ دونوں اس پر الہام کر دیے۔" ان تمام تصریحات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے، اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اُن تفصیلی بیانات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے لیے دنیا میں کیا کیا انتظامات کیے ہیں، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں "راستہ دکھانے" سے مراد رہنمائی کی کوئی ایک ہی صورت نہیں ہے بلکہ بہت سی صورتیں ہیں جن کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر:

۱۔ ہر انسان کو علم و عقل کی صلاحیتیں دینے کے ساتھ ایک اخلاقی حِس بھی دی گئی ہے جس کی بدولت وہ فطری طور پر بھلائی اور بُرائی میں امتیاز کرتا ہے، بعض افعال اور اوصاف کو بُرا جانتا ہے اگرچہ وہ خود ان میں مبتلا ہو، اور بعض افعال و اوصاف کو اچھا جانتا ہے اگرچہ وہ خود اُن سے اجتناب کر رہا ہو۔ حتٰی کہ جن لوگوں نے اپنی اغراض و خواہشات کی خاطر ایسے فلسفے گھڑ لیے ہیں جن کی بنا پر بہت سی بُرائیوں کو اُنہوں نے اپنے لیے حلال کر لیا ہے، ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہی بُرائیاں اگر کوئی دوسرا اُن کے ساتھ کرے تو وہ اُس پر چیخ اُٹھتے ہیں اور اُس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے جھوٹے فلسفوں کے باوجود حقیقت میں وہ اُن کو بُرا ہی سمجھتے ہیں۔ اِسی طرح نیک اعمال و اوصاف کو خواہ کسی نے جہالت اور حماقت اور دقیانوسیت ہی قرار دے رکھا ہو، لیکن جب کسی انسان سے خود اُس کی ذات کو کسی نیک سلوک کا فائدہ پہنچتا ہے تو اس کی فطرت اُسے قابلِ قدر سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

۲۔ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ضمیر (نفسِ لوّامہ) نام کی ایک چیز رکھ دی ہے جو اُسے ہر اُس موقع پر ٹوکتی ہے جب وہ کوئی بُرائی کرنے والا ہو یا کر رہا ہو یا کر چکا ہو۔ اِس ضمیر کو انسان خواہ کتنی ہی تھپکیاں دے کر سُلائے، اور اِس کو بے حس بنانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کر لے، لیکن وہ اسے بالکل فنا کر دینے پر قادر نہیں ہے۔ دنیا میں ڈھیٹ بن کر وہ اپنے آپ کو قطعی بے ضمیر ثابت کر سکتا ہے۔ وہ حجتیں بگھار کر دنیا کو دھوکا دینے کی بھی ہر کوشش کر سکتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو بھی فریب دینے کے لیے اپنے افعال کے بے شمار عذرات تراش سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اللہ نے اس کی فطرت میں جو محاسب بٹھا رکھا ہے وہ اتنا جاندار ہے کہ کسی بُرے انسان سے بھی یہ بات چھپی نہیں رہتی کہ وہ حقیقت میں کیا ہے۔ یہی بات ہے جو سورۂ قیامہ میں فرمائی گئی ہے کہ "انسان خود اپنے آپ کو خوب جانتا ہے خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔" (آیت ۱۵)

۳۔ انسان کے اپنے وجود میں اور اس کے گرد و پیش زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات میں ہر طرف ایسی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جو خبر دے رہی ہیں کہ یہ سب کچھ کسی خدا کے بغیر نہیں ہو سکتا، نہ بہت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا اس کارخانۂ ہستی کے بنانے اور چلانے والے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح آفاق اور اَنفُس کی یہی نشانیاں قیامت اور آخرت پر بھی صریح دلالت کر رہی ہیں۔ انسان اگر ان سے آنکھیں بند کر لے، یا اپنی عقل سے کام لے کر ان پر غور نہ کرے، یا جن حقائق کی نشان دہی یہ کر رہی ہیں اُن کو تسلیم کرنے سے جی چُرائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تو حقیقت کی خبر دینے والے نشانات اس کے سامنے رکھ دینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے۔

۴۔ انسان کی اپنی زندگی میں، اُس کی ہم عصر دنیا میں، اور اس سے پہلے گزری ہوئی تاریخ کے تجربات میں بے شمار واقعات ایسے پیش آتے ہیں اور آتے رہے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک بالاتر حکومت اُس پر اور ساری کائنات پر فرمانروائی کر رہی ہے، جس کے آگے وہ بالکل بے بس ہے، جس کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے اور جس کی مدد کا وہ محتاج ہے۔ یہ تجربات و مشاہدات صرف خارج ہی میں اِس حقیقت کی خبر دینے والے نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اپنی فطرت میں بھی اُس بالاتر حکومت کے وجود کی شہادت موجود ہے جس کی بنا پر بڑے سے بڑا دہریہ بھی بُرا وقت آنے پر خدا کے آگے دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے، اور سخت سے سخت مشرک بھی سارے جھوٹوں خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو پکارنے لگتا ہے۔

۵۔ انسان کی عقل اور اُس کی فطرت قطعی طور پر حکم لگاتی ہے کہ جرم کی سزا اور عمدہ خدمات کا صلہ ملنا ضروری ہے۔ اِسی بنا پر تو دنیا کے ہر معاشرے میں عدالت کا نظام کسی نہ کسی صورت میں قائم کیا جاتا ہے اور جن خدمات کو قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے ان کا صلہ دینے کی بھی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اخلاق اور قانونِ مکافات کے درمیان ایک ایسا لازمی تعلق ہے جس سے انکار کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اب اگر یہ مسلّم ہے کہ اس دنیا میں بے شمار جرائم ایسے ہیں جن کی پوری سزا تو درکنار سرے سے کوئی سزا ہی نہیں دی جا سکتی، اور بے شمار خدمات بھی ایسی ہیں جن کا پورا صلہ تو کیا، کوئی صلہ بھی خدمت کرنے والے کو نہیں مل سکتا، تو آخرت کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی بے وقوف یہ فرض کر لے، یا کوئی ہٹ دھرم یہ رائے قائم کرنے پر اصرار کرے کہ انصاف کا تصوّر رکھنے والا انسان ایک ایسی دنیا میں پیدا ہو گیا ہے جو بجائے خود انصاف کے تصوّر سے خالی ہے۔ اور پھر اِس سوال کا جواب اُس کے ذمّہ رہ جاتا ہے کہ ایسی دنیا میں پیدا ہونے والے انسان کے اندر یہ انصاف کا تصوّر آخر آ کہاں سے گیا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ اِن تمام ذرائع رہنمائی کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی صریح اور واضح رہنمائی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں جن میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ شکر کی راہ کونسی ہے اور کفر کی راہ کونسی اور ان دونوں راہوں پر چلنے کے نتائج کیا ہیں۔ انبیاء اور کتابوں کی لائی ہوئی یہ تعلیمات، بے شمار محسوس اور غیر محسوس طریقوں سے اتنے بڑے پیمانے پر ساری دنیا میں پھیلی ہیں کہ کوئی انسانی آبادی بھی خدا کے تصوّر، آخرت کے تصوّر، نیکی اور بدی کے فرق، اور اُن کے پیش کردہ اخلاقی اصولوں اور قانونی احکام سے ناواقف نہیں رہ گئی ہے، خواہ اسے یہ معلوم ہو یا نہ ہو کہ یہ علم اُسے انبیاء اور کتابوں کی لائی ہوئی تعلیمات ہی سے حاصل ہوا ہے۔ آج جو لوگ انبیاء اور کتابوں کے منکر ہیں، یا اُن سے بالکل بے خبر ہیں، وہ بھی اُن بہت سی چیزوں کی پیروی کر رہے ہیں جو دراصل اُنہی پیغمبروں اور کتابوں کی تعلیمات سے چھَن چھَن کر اُن تک پہنچی ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اِن چیزوں کا اصل ماخذ کونسا ہے۔

فیصلے کا ایک دن مقرر ہے

اس کے بعد قرآن میں جگہ جگہ یہ بتایا گیا کہ اس امتحان کا نتیجہ اسی دنیا میں ظاہر نہ ہوگا، بلکہ ایک وقت اِس کے لیے مقرر ہے جب دنیا کی تمام اگلی پچھلی نسلوں کو دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا اور ان سب کا حساب لیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الدخان - ۴۰)

اِن سب کے لیے فیصلے کا ایک طے شدہ وقت ہے۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ - ۴۹-۵۰)

اِن سے کہو یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں جس کا وقت مقرر ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ (الزمر - ۶۸)

اور اُس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اُن کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے (مثلاً فرشتے)۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اُٹھ کر دیکھ رہے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَقِيلَ لِلظّٰلِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ۔ (الزمر - ۲۴)

اور ظالموں سے کہہ دیا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اُس کمائی کا جو تم کرتے رہے تھے۔

اصل میں لفظ "کسب" استعمال ہوا ہے جس سے مراد قرآن مجید کی اصطلاح میں جزا و سزا کا وہ استحقاق ہے جو آدمی اپنے عمل کے نتیجے میں کماتا ہے۔ نیک عمل کرنے والے کی اصل کمائی یہ ہے کہ وہ اللہ کے اجر کا مستحق بنتا ہے۔ اور گمراہی و بدراہی اختیار کرنے والے کی کمائی وہ سزا ہے جو اسے آخرت میں ملنے والی ہے۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ۔ (المومن - ۱۷)

(اُس وقت کہا جائے گا) آج ہر متنفس کو اُس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے (دنیا میں) کی تھی - آج کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

یعنی کسی نوعیت کا ظلم بھی نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ جزا کے معاملہ میں ظلم کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں - ایک یہ کہ آدمی کسی اجر کا مستحق ہو اور وہ اُس کو نہ دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ جتنے اجر کا مستحق ہو اُس سے کم دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ وہ سزا کا مستحق نہ ہو مگر اسے سزا دے ڈالی جائے۔ چوتھے یہ کہ جو سزا کا مستحق ہو اُسے سزا نہ دی جائے۔ پانچویں یہ کہ جو کم سزا کا مستحق ہو اسے زیادہ سزا دے دی جائے۔ چھٹے یہ کہ مظلوم منہ دیکھتا رہ جائے اور ظالم اس کی آنکھوں کے سامنے صاف بری ہو کر نکل جائے۔ ساتویں یہ کہ ایک کے گناہ میں دوسرا پکڑ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ظلم کی تمام نوعیتوں میں سے کسی نوعیت کا ظلم بھی اس کی عدالت میں نہ ہونے پائے گا۔

انسان جو کچھ دنیا میں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست واقف ہے

پھر قرآن میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس دار الامتحان میں انسان جو کچھ بھی کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست واقف ہے۔ اس کا کوئی فعل، بلکہ اس کے دل کا کوئی خیال تک اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس لیے یوم الحساب میں انسان کو اُس خدا سے سابقہ پیش آئے گا جو اس کے پورے کارنامۂ حیات سے پوری طرح باخبر ہے۔

وَاَسِرُّوا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ (الملک - ۱۳)

تم چھپا کر بات کرو یا زور سے (اُس کے لیے یکساں ہے) وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے۔

اَمْ يَحْسَبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

کیا وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (الزخرف - ۸۰)

ان کی سرگوشیاں نہیں سن رہے ہیں؟ ہم سب کچھ سن رہے ہیں، اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔

وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق - ۱۶)

اُس کے دل میں اُبھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید - ۴)

وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ (المومن - ۱۹-۲۰)

اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے۔ اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں۔ اور اللہ ٹھیک ٹھیک بے لاگ فیصلہ کرے گا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com